میلاد شریف کی تاریخ

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

میلاد شریف کی رسم مسلمانوں میں قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ آغاز میں اس کو مولود شریف کہتے تھے۔ پھر اس کو میلاد شریف اور عید میلاد النبی کہنے لگے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر علاقہ میں اور ہر طبقہ میں یہ رسم موجود ہے۔ بلکہ بعض علاقے تو عالم اسلام میں ایسے ہیں جہاں مذہب اسلام کی واحد تقریب میلاد شریف کی محفل ہوتی ہے۔ میلاد شریف میں چند افراد کم و بیش ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ وہاں مولود شریف کی کتاب کے بعض حصے نظم و نثر خاص ترنم میں پڑھے جاتے ہیں۔ پھر کھڑے ہو کر چند افراد گا کر ایک منظوم سلام پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد شیرینی تقسیم ہو جاتی ہے اور محفل برخاست ہو جاتی ہے۔ اسی قسم کی زنانی محفلِ میلاد بھی منعقد ہوتی ہیں۔ قدیم مولود شریف تو مولود شہیدی ہے جس کو مولانا غلام امام شہیدی نے انیسویں صدی کے وسط میں لکھا تھا۔ اس کے بعد دوسرے مولود بھی لکھے گئے۔ آج کل اکبر وارثی میرٹھی کا لکھا ہوا مولود اکبری زیادہ مقبول ہے۔

مولود قبل اسلام عالمِ اسلام میں یہ رسم قدیم زمانہ سے رائج ہے، لیکن اگر عالمی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ رسم بہت قدیم ہے۔ قدیم مشرکانہ مذاہب میں یہ رسم رائج تھی۔ مشرک قوموں کا عقیدہ ہے کہ اُن کے اوتار اور اعاظم رجال درحقیقت مظہر خدا وندی ہوتے ہیں۔ اوتار کے پردے میں دراصل وہ ظہورِ خدا وندی کا یقین رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ ان کی پیدائش کے دن کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اس دن بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں،

اس اظہار کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔

ہندوستان شرک و بت پرستی کی کان ہے۔ یہاں بدھ مت کے ماننے والوں نے مہاتما بدھ کو اور جین مت کے ماننے والوں نے مہاویر کو خداوند کا چوبیسواں ظہور قرار دیا۔ بدھ کی پیدائش کو ان کے یہاں انتہائی مقدس سمجھا جاتا ہے۔ بدھ کی پیدائش سے متعلق ایک کتاب جاتکہ (پیدائش) پالی زبان میں موجود ہے۔ جس کا جاپ (ورد) خاص خاص موقعوں پر کیا جاتا ہے۔ دنیا کا یہ سب سے پہلا "مولود نامہ" ہے۔

مذہب مسیحیت پر جدید تحقیقات نے یہ بات نہایت مدلل طریقے سے ثابت کر دی ہے کہ موجودہ مذہب مسیحیت کا غالب حصہ دوسری اقوام کے مذاہب اور رسومات سے ماخوذ ہے۔ حضرت مسیح کی پیدائش سے بہت پہلے بدھ مت ایران، شام، یونان میں اپنے قدم جما چکا تھا۔ ایران کا آفتاب پرستی کا مذہب متھرا ازم بھی آغازِ مسیحیت کے زمانہ میں شام یونان اور روما تک میں پھیل چکا تھا۔ اس لیے مذہب مسیحیت میں علاقہ میں رائج مذاہب کی بہت سی مشرکانہ رسومات داخل ہوگئی ہیں۔ ۲۵ دسمبر کی اہمیت اور منجی (SAVIOUS) کا عقیدہ متھرا ازم سے حاصل کیے گئے ہیں۔ حضرت مسیح کی پیدائش کے کافی عرصہ بعد ۲۵ دسمبر ان کی پیدائش کا دن مقرر کیا گیا اور متفقہ تسلیم کیا گیا ہے۔

اسلام کا موحدانہ مزاج

چاروں طرف شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا جب عرب میں اسلام کا ظہور ہوا ہے۔ اسلام توحید خالص کا مذہب ہے۔ شرک اور بت پرستی کے داخل ہونے کے تمام دروازے اسلام نے مسدود کر دیے ہیں۔ انسانیت کا الوہیت سے رابطہ نہیں۔ انبیاء بھی محض بشر اور انسان رہے ہیں۔ مشرکانہ مذاہب میں پیدائش اور ظہور اوتار پر تہوار مقرر ہیں۔ اسلام نے تمام تہواروں کی نفی کی ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے صرف دو عیدیں (تہوار) مقرر کیے ہیں۔ مگر یہ تہوار بھی سابق مذاہب کے تہواروں سے بالکل مختلف ہیں۔ تہواروں کی قلب ماہیت کر دی گئی ہے۔ عید الفطر ماہ صیام کے بعد آتی ہے۔ ماہ صیام نزولِ قرآن کا سالانہ جشن ہے۔ مگر عجیب جشن ہے۔ نہ کھیل نہ تماشہ بلکہ عبادت، مزید عبادت اور رجوع الی اللہ کا مظاہرہ ہے۔ یہ آخری کتاب ہدایت کی یادگار ہے۔ عید بھی اس

ماہ میں اور پھر اس عید میں گویا ساری قوم دینی اور اخلاقی تربیت کا ایک کورس پورا کرتی ہے۔ دوسری عید عیدالاضحی ہے، جس میں اللہ کے نیک بندے، ابراہیم خلیل اللہ کی عظیم الشان قربانی کی یاد میں عبادت بھی ادا کی جاتی ہے اور قربانی بھی کی جاتی ہے۔ اسلامی تہواروں کی رُوح یہ ہے کہ انسان کی مادیت کو دبایا جائے اور اس کی روحانیت کو ابھارا جاتا ہے۔ مادیت پہ رُوح کے غلبے کے دن ہیں۔

عہدِ صحابہ کے ایک واقعہ سے اسلام کے مزاج کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں سنہ جاری کرنے کا سوال سامنے آیا۔ مسلمانوں کے اِردگرد رُومی مسیحی، یزدگرد کے سنین رائج تھے۔ رُومی اور ایرانی سلطنتوں کی تقلید میں بعض نے تجویز کیا کہ ہمارا سنہ پیدائشِ رسول اللہؐ سے یا بعثتِ رسول اللہؐ یا وفاتِ رسول اللہؐ سے جاری ہونا چاہیے۔ مگر اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: "موت و حیات تو اللہ کے حکم سے ہے۔ ہر فرد بشر کو اس مرحلہ سے گزرنا لازمی ہے۔ البتہ اسلام اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ بلاشبہ اسلام کا آغاز مکہ مکرمہ میں ہوا ہے مگر اس کا حقیقی ظہور مدینہ منورہ میں ہوا ہے اس لیے ہجرت سے ہمارے سنہ کا آغاز ہونا چاہیے۔ تمام صحابہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور ہجری کا آغاز ہوا۔

مولود فاطمین مصر: تین صدیوں تک اسلام میں غیر اسلامی رسوم و رواجات کو نفوذ اور غلبہ حاصل نہ ہوسکا۔ تیسری صدی کے آغاز میں شیعوں کی ایک شاخ فاطمین اسماعیلیہ کو مصر میں غلبہ اور حکومت حاصل ہوگئی۔ (۲۹۷ --- ۵۶۷ھ/ ۹۰۹ --- ۱۱۷۱ء) یہ مصر افریقہ شام کے وسیع علاقہ پر حکمران بن گئے۔ شیعہ مذہب کی عقلیت کا جو دور ہے اس زمانہ میں معتزلہ کا غلغلہ بلند تھا۔ اس لیے شیعہ مذہب کی تمام شاخوں میں تفلسف اور عقل پرستی کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ بہت سی خود پسند باتیں وہ ائمہ کے حوالہ سے اپنے مذہب میں داخل کرلیتے ہیں۔ اسماعیلی تو زندہ امام رکھتے ہیں۔ امام جو کہہ دے بس وہ حق ہے۔ اس لیے نئی باتوں کے داخل ہونے میں یہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ البتہ اہلِ سنت کے یہاں نئی بات کو داخل کرنا بہت مشکل معاملہ ہے اور داخل ہوجانے کے بعد بھی کوئی نہ کوئی

گروہ اس کی مخالفت بدستور کرتا رہتا ہے۔

اسماعیلی دوسری قوموں سے عقائد اور رسومات بلا تکلف اپنے مذہب میں داخل کر لیتے تھے۔ مُردہ رُوح سے زندوں کو فیضان پہنچنے کا ذکر اسلام کے عہد اول میں بالکل نہیں ملتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق کے مطابق رُوحِ مُردہ سے حصولِ فیضان کا عقیدہ عالم اسلام میں سب سے پہلے حکیم بو علی سینا نے پیش کیا ہے جس کی پرورش اسماعیلی گھرانے میں ہوئی تھی۔ بعد میں صوفیاء نے اس نظریہ کو قبول کر لیا اور سارے عالم اسلام میں پھیلا دیا۔ اسی طرح عالم اسلام میں رسم مولود کے بانی فاطمین مصر ہیں۔

مصر اور دوسرے جس علاقے پر فاطمیوں کی حکومت تھی وہاں مسیحی کثیر تعداد میں آباد تھے۔ مصر کے مسیحیوں کا تعلق قبطی چرچ سے تھا جہاں قبطی زبان رائج تھی۔ جو بہر کیف سامی زبان کی شاخ ہے۔ شام میں نسطوری فرقے کے لوگ تھے جو سریانی زبان استعمال کرتے تھے۔ وہ بھی سامی الاصل ہے۔ اپنی مذہبی شخصیتوں کے لیے وہ "ابونا" "سیدنا" اور "مولانا" کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ جگہ جگہ اُن کے گرجے قائم تھے۔ مسلمانوں کا ان سے خلط ملط تھا۔ "مولانا" کا لفظ فاطمیوں نے قبطی چرچ سے اخذ کر کے اپنے یہاں رائج کر لیا۔ چونکہ طویل عرصہ تک فاطمیوں کی حکومت حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر رہی ہے اس لیے یہ لفظ وہاں بھی پہنچ گیا۔ اور پھر وہاں سے سارے عالم اسلام میں پھیل گیا۔ آج اہلِ علم اور دیندار لوگوں کے لیے اس لفظ کا استعمال لازمی سا ہو گیا ہے۔

قبطی گرجے مختلف موقعوں پر مذہبی تہوار منعقد ہونے تھے۔ مثلاً "میلاد یسوع مسیح" "میلاد بتول عذراء" "میلاد قدّیس فلاں، میلاد قدّیس فلاں"۔ فاطمی خلفاء مسیحیوں سے متاثر ہوتے اور انھوں نے بھی مولود جاری کر دیئے۔ عید مولد محمد مصطفےٰ، عید مولد سیّدہ خدیجہ، عید مولد سیّدہ فاطمہ، عید مولد سیّدنا علی، عید غدیر۔

(۱۔ تاریخ فاطمین مصر حصہ دوئم۔ از ڈاکٹر زاہد علی اسمٰعیلی۔ ص ۳۳۱)

(۲۔ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ۔ از ڈاکٹر احمد شبلی۔ اردو ترجمہ محمد حسین خان زبیری۔ ص ۹۵)۔

مؤرخ کبیر مقریزی لکھتا ہے کہ ان خلفاء نے اپنی عیدیں بھی مقرر کر لی تھیں جیسے عید مولد خلیفہ یا عید مولد امام حاضر کہتے تھے۔ فاطمی خلفاء کے یہاں یہ سب شاہی تقریبات تھیں، اور بڑے کروفر اور طمطراق سے منائی جاتی تھیں۔ جن میں تمام امراء اور درباری لوگ شریک ہوتے تھے۔ البتہ عوام الناس کی شرکت ان میں کم ہوتی تھی۔ شاید اس وجہ سے یہ ہو کہ حکومت شیعہ مسلک کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور عوام رعایا اہلِ سنّت کے عقیدہ کے لوگ تھے۔ اس لیے وہ ان کے ساتھ تعاون کم ہی کرتے تھے۔ مزید یہ کہ اہلِ سنّت نئی چیز کو بدعت قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔ ان کے علماء نے ان کو روکا ہو گا۔ بہرکیف کوئی بھی وجہ ہو فاطمی مولود کا دائرہ شرکت محدود تھا۔ محدود شخصیت خلیفہ کی ہوتی تھی۔ وہ خود شریک ہوتا تھا۔ خطبہ دیتا تھا۔

مولود حرمین میں | اس دور میں حرمین شریفین پر فاطمین مصر کی حکومت تھی۔ فاطمی خلفا حرمین شریفین میں اپنے طور طریقے رائج کرنے میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ اگرچہ وہاں نیم آزاد شریفی خاندان حکمران تھا۔ جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد تھے اور شریف مکہ کہلاتے تھے۔ مگر بالادستی فاطمیوں کو حاصل تھی۔ یہ شریف مکہ خود بھی شیعوں کی شاخ زیدی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک ہزار سال تک ان کا خاندان حکمرانی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء شاہ عبدالعزیز بن سعود نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ چھ صدیوں تک شرفا مکہ زیدی رہے اور جب سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت ہوئے تو پھر انہوں نے اہلِ سنّت کا مسلک اختیار کر لیا۔

تاریخ مکہ کا مصنف احمد سباعی (ص - ۱۴۶) لکھتا ہے کہ اس دور میں (چوتھی صدی ہجری مطابق دسویں صدی مسیحی) مکہ میں نئی نئی عیدیں جاری ہوئیں۔ مثلاً عید میلاد النبی، عید مولد سیدہ فاطمہ، عید مولد سیدہ خدیجہ، عید مولد سیدہ آمنہ، عید مولد سیدنا علی، یوم عاشورا، آخری چہار شنبہ۔ ان میلادوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتے ہی لوگ سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے۔ احمد سباعی نے تاریخ مکہ (ص ۱۴۵) میں لکھی ہے کہ فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ (۴۱۱ — ۳۸۶ھ) نے مصر میں فرمان جاری کر دیا تھا کہ جب بھی خطبہ میں خلیفہ کا نام سنیں تو فوراً تمام لوگ کھڑے ہو جائیں۔ بعد میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ گلی کوچوں

ہیں جہاں لوگ خلیفہ کا نام سنتے ہی سرو قد کھڑے ہو جاتے تھے۔ ۳۹۶ھ میں اس نے مکہ میں بھی یہی طریقہ رائج کیا کہ جب بھی خلیفہ کا نام سنیں تمام لوگ کھڑے ہو جائیں۔ جب یہ خلفاء اپنے نام کی تقدیس کراتے تھے اور لوگوں کو کھڑے ہونے کا حکم دیتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر تو بدرجہ اولیٰ کھڑا کراتے تھے۔ اس طرح فاطمیوں کے میلاد میں آغاز سے ہی قیام کی رسم شامل تھی۔ واضح رہے کہ یہ وہی خلیفہ حاکم بامراللہ ہے جس کو دروزی فرقہ آج تک خدا مانتا ہے۔

ابن جبیر اندلسی (متوفی ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء) نے اپنے سفر نامہ میں مکہ مکرمہ کے میلاد دون کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مولود کی رات لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت کی زیارت کرنا ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اس مکان کو ہارون الرشید کی والدہ خیزران (۱۷۳ھ/۷۸۹ء) نے خرید لیا تھا۔ اور وہاں ایک مدرسہ جاری کر دیا تھا۔ آج کل یہ مکان دار خیزران کے نام سے مشہور ہے۔

یوم عاشورا کے سلسلہ میں احمد شلبی (ص ۱۹۵) نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ اس روز فاطمی لوگ صرف مسور کی دال اور پیاز کھاتے جاتے ہیں۔ اس روز ہمارے ملک میں کھچڑا پکانے کی رسم ہے۔ کیا اس کا تعلق بھی اسی سے ہے؟

آخری چہار شنبہ ماہ صفر کو جاننے والے اب بہت کم لوگ ہیں۔ سرکاری مدارس میں ابھی تک اس دن کی چھٹی ہوتی ہے۔ مہینوں کے جو نام ہندوستان کی مسلمان خواتین میں رائج ہیں، ان میں ماہ صفر کا نام تیرہ تیزی ہے۔ قدیم بڑھیا یہ بیان کرتی ہیں کہ ماہ صفر کے آخری تیرہ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار کی شدت رہی تھی اور آخری چہار شنبہ (بدھ) کے روز مرض سے افاقہ ہو گیا تھا۔ اس لیے اس دن خوشی منائی جاتی تھی۔ یہ سب اسمٰعیلی اثرات ہیں جو عام مسلمانوں پر بھی پڑے ہیں۔

انگریزوں نے بنگال کی حکومت سراج الدولہ اور میر جعفر وغیرہ سے حاصل کی۔ یہ لوگ شیعہ مسلک کے ماننے والے تھے۔ ان کے یہاں آخری چہار شنبہ منایا جاتا ہے۔ انگریزی حکومت نے یہ چھٹی ان سے اختیار کر لی اور اپنے اقتدار کے بڑھتے ہوئے دائرہ کے ساتھ ساتھ

اس چھٹی کو سارے ہندوستان میں پھیلا دیا ۔ حالانکہ دوسرے صوبوں کے مسلمان اس نام سے واقف نہیں تھے ۔ مگر چھٹی کسے بُری لگتی ہے ۔ سب نے اس کو قبول کر لیا ۔

فاطمی اثراتِ ہندوستان بہت قدیم زمانہ سے فاطمی دعوت ہندوستان میں پھیل رہی تھی ۔ پانچویں صدی ہجری میں اسماعیلی تجربات ہندوستان میں موجود تھے ۔ محمود غزنوی نے جب سومنات پر حملہ کیا (۴۲۰ھ/۱۰۳۰ء) اُس وقت اسماعیلی (بوہرے) وہاں موجود تھے ۔ پھر مرکز دعوت بھی ہندوستان منتقل ہو گیا ۔ ۵۳۱ سے ۹۴۶ھ تک دعوت کا مرکز یمن میں رہا ۔ اور ۹۴۶ھ کے بعد سے دعوت کا مرکز ہی ہندوستان میں آ گیا ۔ پہلے داعی سیّد یوسف نجم الدین تھے ۔ ان کا مستقر سدھ پور گجرات تھا ۔ آج تک گجرات ان کا مرکز تھا ۔ اس لیے عید میلاد النبی کے ہندوستان میں رواج دینے میں ایک ذریعہ تو یہ اسماعیلی مرکز تھا ۔ دوسرا بڑا ذریعہ حج تھا ۔ اطراف و اکناف سے ہزاروں آدمی ہر سال حج کرتے ہر سال مکّہ اور مدینہ کا سفر اختیار کرتے تھے ۔ مسلمانوں کے دلوں میں وہاں کے علماء کی بڑی قدر و منزلت تھی ۔ اُن کو دین میں سند تصور کیا جاتا تھا ۔ حاجی لوگ جب اس رسم کو وہاں ہوتا دیکھتے تھے تو پھر اس کو اپنے اپنے ملکوں میں لے جا کر پھیلاتے تھے ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند مولانا سلامت اللہ دہلوی نے مولود شریف کے جواز میں سب سے بڑی دلیل یہ دی ہے کہ حرمین شریفین کے علماء کے یہاں بھی مولود شریف رائج ہے ۔

"سلف صالحین از علماء و عرفا در اکناف عالم شرقاً و غرباً شمالاً و جنوباً آن را فعلی قبول نمودہ از مستحسنات شرعیہ و مستحبات دینیہ شمردہ ۔ شش صد سال بلکہ زیادہ بر آں می رود کہ ایں ہمہ عمائدِ دین تعامل و تداول بآں دارند ، خاصہ استعمال و اشتغال اکابر حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً ۔"

مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ فاطمیین مصر اور زیدیان مکہ کے اس فعل کو علماء حق کے درمیان قبولیت عامہ حاصل نہ ہو سکی ۔ بہت علماء حق اس بدعت کا ذکر بھی نہیں کرتے ۔

مولود ایوبیان شام اس دَور میں عالم اسلام کو ایک نئے فتنے سے دو چار ہونا پڑا ۔ یہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ تھا ، جو دو صدیوں تک برابر چلتا رہا ۔ (۴۹۰-۶۹۱ھ/۱۰۹۷-۱۲۹۱ء)

روما کے پوپ کی تحریض پر یورپ کے طالع آزما نوابین اور حکمران ٹڈی دل فوج لے کر فلسطین اور شام پر حکمران ہوگئے۔ اور ساحلِ شام پر انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں۔ جو کسی نہ کسی حال میں ایک صدی تک (۹۰ سال) چلتی رہیں۔ اُن کا زور تو عماد الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی (۵۹۸-۵۶۸ھ/۱۱۹۳-۱۱۷۳ء) نے توڑ دیا تھا۔ مگر ان کا خاتمہ ممالیکِ مصر نے کیا۔ دو صدیوں کے طویل عرصہ میں مسلسل جنگ و پیکار ہی تو نہیں رہتی۔ پرامن تعلقات بھی قائم ہوتے ہیں۔ برتر اسلامی تہذیب و تمدن دیکھ کر مسیحی حملہ آوروں کی آنکھیں کھُل گئیں۔ انہوں نے بہت سی باتیں مسلمانوں سے اخذ کیں۔ مثلاً علمِ طب، نظامِ خانقاہی اور تسبیح وغیرہ۔ مسلمانوں نے بھی اُن سے کچھ نہ کچھ اخذ کیا۔

فرنگی ۲۵ دسمبر کو عید میلادِ مسیح مناتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو بھی خیال آیا کہ وہ بھی اپنے نبی کی عید میلاد النبی منائیں۔ یہی زمانہ ہے کہ موصل اور اربل میں عید میلاد النبی کی رسم جاری ہوئی۔ قاضی ابن خلکان (متوفی ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء) نے وفیات الاعیان میں اور مؤرخ کبیر حافظ ابن کثیر (۷۷۱ھ/۱۳۷۳ء) نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ موصل میں عمر بن محمد ایک صالح شخص رہتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے میلاد کی رسم جاری کی۔ اربل کے بادشاہ ملک ظفر الدین بن زین الدین نے اس کو پسند کیا۔ اور ۶۰۷ھ/۱۳۰۷ء میں شاہی طمطراق اور شان و شکوہ کے ساتھ اس نے منایا۔ ملک ظفر الدین سلطان صلاح الدین کا سالہ تھا۔ شیخ ابوالخطاب عمر بن حسن کلبی معروف بابن مرحیہ بلنسیہ اندلس کے ایک مشہور عالم تھے۔ وہ سیر کرتے ہوئے شام اور عراق میں آئے۔ اربل میں پہنچے۔ ملک مظفر الدین نے ان سے درخواست کی کہ وہ مولد النبی پر ایک کتاب لکھ دیں۔ اُنہوں نے "التنویر فی مولد البشیر والنذیر" کے نام سے ایک کتاب لکھ کر سلطان کے حوالے کی۔ مولد النبی پر یہ اسلام کی سب سے اوّل کتاب ہے۔

یہ بات کہ یہ رسم مسیحیوں کی رسم میلادِ مسیح سے ماخوذ ہے، بالکل واضح ہے۔ ملا علی قاری حنفی (۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) نے فن قرأت اور تجوید کے امام ابن جزری کا قول

اپنی کتاب "المورد الروی فی مولد النبوی" میں نقل کیا ہے۔ قال ابن الجزری (۸۳۱ھ/۱۴۲۹ء) اذا کان اهل الصلیب اتخذوا لیلة مولد نبیهم عید الاکبر، فاهل الاسلام اولی بالتکریم واجدر"۔ چونکہ ملا علی قاری اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے آگے یہ اضافہ کر دیا ہے۔ قلت لما یرد علیه انا مامورون بمخالفة اهل الکتاب۔ جب کہ اہل صلیب نے اپنے نبی کی یوم پیدائش کو اپنے لیے عید اکبر بنا لیا ہے تو ہم اہل اسلام اس قسم کی تکریم کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس پر ملا علی قاری نے لکھا ہے "میں اس کے رد میں کہتا ہوں کہ ہم اہل کتاب کی مخالفت کرنے پر مامور ہیں"۔ بہرکیف اس بیان سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں میں عید میلاد النبی کی رسم مسیحیوں کی تقلید میں جاری ہوئی ہے۔ ملک مظفرالدین کی عید میلاد النبی کی تقریب کا حال ابن خلکان نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

"جشنِ میلاد ایک ہفتہ تک جاری رہتا تھا جس میں تماشے، چراغاں، کھیل تفریح اور ناچ گانا، عورتوں اور مردوں کے ہجوم ہوتے تھے۔ بازار سجایا جاتا تھا۔ ہفتہ کا آخری دن ان سب سے اہم ہوتا تھا۔ اس دن شام کو مشعل بردار جلوس بعد نماز مغرب قلعہ سے برآمد ہوتا تھا۔ اور شہر کی بڑی خانقاہ تک جاتا تھا۔ بادشاہ خود اس جلوس کی قیادت کرتا تھا۔ دوسرے دن لکڑی کا بہت اونچا ممبر تیار کیا ہوا رکھا جاتا تھا۔ اس پر بیٹھ کر علماء کرام وعظ فرماتے تھے۔ ممبر کے سامنے لکڑی کا ایک اونچا منارہ ہوتا تھا۔ جس میں بیٹھا ہوا بادشاہ یہ تمام تماشا دیکھتا تھا۔ ساری فوج نہایت شان و شوکت کے ساتھ سامنے صف بستہ کھڑی ہوتی تھی۔ ایک طرف امراء، نوابین اور درباری اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کھڑے ہوتے تھے۔ اس موقعہ پر امراء کو خلعت سے نوازا جاتا تھا۔ اس کے بعد میدان میں عام دعوت کا انتظام کیا جاتا تھا۔ تمام حاضرین مجلس کی دعوت کی جاتی تھی۔ البتہ خواص اور امراء کے لیے خانقاہ میں دعوت کا انتظام ہوتا تھا۔ کھانے کے بعد خانقاہ میں سماع کا سلسلہ جاری ہوتا تھا۔ تمام امراء اور نوابین بادشاہ کے ساتھ اس میں شرکت کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ساری رات

جاری رہتا تھا "

عید میلاد کی یہ محفلیں کھیل تماشے اور تفریح کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ علامہ فاکہانی مغربی نے لکھا ہے کہ طبول، ملاہی، دف، مردوں اور نوخیز لڑکوں کا جمع ہونا، خوبصورت گانے والی عورتوں کا جمع ہونا۔ یہ سب باتیں ان محفلوں میں ہوتی ہیں۔ علامہ خفاجی نے رقص و سرود آلاتِ دف و ضرب کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب باتیں مسیحیوں کی عید میلاد مسیح میں موجود ہوتی ہیں۔ وہاں سے ہی مسلمانوں نے بھی اخذ کریں۔

رسمِ میلاد کو قبول کرنے میں علماء کا تو اچھا خاصا طبقہ متأمل رہا۔ لیکن صوفیاء نے بلا تکلف اس کو قبول کر لیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب صوفیاء کے سلسلے میں سارے عالمِ اسلامی میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو غلبہ اور مقبولیت حاصل تھی۔ مسلمان معاشرہ ان سے محبت کرتا تھا۔ صوفیاء کرام نے اس رسم کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تنہا بادشاہوں کی کوششوں سے یہ رسم قبولیتِ عامہ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ بہرکیف ایوبی بادشاہوں نے اس رسم کو شام، مصر اور حجاز میں پھیلایا۔ سلطان مراد سوم (۹۹۶/۱۵۸۸) نے اس رسم کو سلطنت عثمانیہ میں پھیل دیا۔

کتبِ میلاد محفلِ میلاد میں مندرجہ ذیل کتب پڑھی جاتی ہیں۔

۱۔ التنویر فی مولد البشیر والنذیر۔ از ابن دحیہ کلبی۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

۲۔ قصیدہ بانت سعاد۔ از کعب بن زہیر۔ اس قصیدہ کو شاعر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا۔ آپ نے اس پر شاعر کو اپنی رِدائے مبارک دے دی تھی۔ اِسی وجہ سے اس کو قصیدہ بُردہ (ردائے مبارک) کہتے ہیں۔ ب مضموم

۳۔ قصیدہ بَردہ شریف۔ ب مفتوح۔ از شرف الدین بوصیری بربری ۶۹۵ھ/۱۲۹۵م یہ بڑا مقبول قصیدہ ہے۔ ہندوستان میں یہ پڑھا جاتا ہے۔

۴۔ مولود۔ از حافظ ابن جوالبیہقی۔

۵۔ مولود۔ از عبدالرحمن ابن الدیبع

۶- قصیدہ مولود النبی - جعفر البرزنجی مدنی ۱۱۸۱/۱۷۶۶ - متاخرین میں مقبول ہے۔

قیام کی رسم فاطمیوں کے ذریعے سے جو میلاد کی محفلیں دنیا میں رائج ہوئیں وہاں تو قیام کا طریقہ رائج تھا۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آتا تھا تو حاضرین مجلس سروقد کھڑے ہو جاتے تھے۔ مگر شام کی محفلِ میلاد میں قیام کی رسم شامل نہیں تھی۔ اس لیے کہ اصل عیسائیوں کی عیدِ مسیح میں بھی قیام کی رسم شامل نہیں ہے۔ محفلِ میلاد میں قیام کی ایجاد کا سہرا تقی الدین سبکیؒ (۷۵۶ھ) کے سر ہے۔ طبقات کبریٰ میں ان کے صاحبزادے عبدالوہاب سبکیؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ علماء کے مجمع میں امام سبکی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ابوزکریا یحییٰ بن یوسف الصرصری کا مدحیہ قصیدہ گا کر سنانا شروع کیا۔ جب وہ درج ذیل شعر کے لفظ قیاماً پر پہنچا تو از خود بے ساختہ امام سبکی بھی کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ سارا مجمع بھی کھڑا ہو گیا۔

قلیل لمدح المصطفیٰ الخط بالذھب   علی فضۃ من خط احسن من کتب

وان ینھض الاشراف عند سماعہ   قیاماً صفوفا اوجثیا علی الرکب

"بہت حقیر ہے یہ بات کہ محمد مصطفیٰ کی مدح میں چاندی کے اوراق پر سنہری حرفوں سے بہترین ماہر خطاط آپ کی مدح لکھے اور یہ بات کہ آپ کا ذکر مبارک سن کر اشراف لوگ صف بستہ کھڑے ہو جائیں یا گھٹنوں پر دو زانو ہو کر بیٹھ جائیں۔"

اس کے بعد سے یہ رسم چل پڑی کہ مدحیہ اشعار پڑھتے وقت لوگ قیام کو ضروری خیال کرنے لگے۔ ایک اتفاقی فعل کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ مگر ہندوستان میں ذکر ولادت کے بعد جب سلام پڑھتے ہیں تب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ اس لیے ہم ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جواز کی بحث عام طور پر علماء کرام نے اس رسم کو جائز اور مباح قرار دیا ہے۔

میلاد پر جو پہلی کتاب لکھی گئی ہے۔ "التنویر فی مولد البشیر والنذیر" اس میں
نے اس رسم کے جواز کے لیے مندرجہ ذیل دلائل مہیا کیے گئے ہیں "ظہور فساد، اشاعت کفر،
آن سید الانام، المقدسے شکوک وشبہات باذھان عوام اور ضعف اعتقاد
کے دور میں یہ رسم واجب علی الکفایہ ہے۔ بشرطیکہ یہ رسم روایت اور درایت کے قریب ہو"
علماء کو محفل میلاد میں کھیل تفریح، چراغاں تماشا، ڈھول تماشا، عورتوں اور مردوں کا
خلط ملط ہونا، مشعل بردار جلوس، سماع اور قیام پر اعتراض تھا۔ جلال الدین سیوطی
نے حسن المقاصد میں ان بدعات اور خرابیوں کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر،
علامہ سخاوی وغیرہ بزرگوں نے بھی ان بدعات اور خرابیوں کے خلاف خوب لکھا ہے۔
جس کا اثر یہ ہوا کہ بتدریج مظفر الدین کی رائج کردہ بدعتیں بڑی حد تک کم ہوگئیں۔
ان علماء کو نفس میلاد پر اعتراض نہ تھا۔ بدعات پر اور غلط سلط روایات پر اعتراضات
تھے۔ ابن جوزی، ابوشامہ، سیوطی اور ملا علی قاری نے نفس میلاد کے حق میں فتوے
دیئے ہیں۔ ہندوستان میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ،
مولوی کرامت علی جونپوری نے محفل میلاد کے جواز میں فتوے دیئے ہیں۔

نفس میلاد خوانی کی مخالفت کرنے والے علامہ فاکہانی مغربی اور مجدد الف ثانی ہیں،
لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس رسم کی شدید مخالفت اس وقت سے شروع ہوئی جب سے
نجد میں دعوت و اصلاح کی تحریک جاری ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں جب شاہ عبدالعزیز بن سعود
کو حجاز میں غلبہ حاصل ہوگیا تو اس رسم کو حرمین شریفین سے ختم کر دیا گیا۔ بقول احمد السباعی
۹ سو سال بعد یہ رسم حرمین شریفین سے ختم ہوئی۔ ہندوستان میں بھی مسلک اہل حدیث کے
فروغ کے ساتھ ساتھ اس رسم کی مخالفت بھی بڑھ گئی۔

محفل میلاد ہندوستان میں میلاد کی رسم قدیم زمانہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں رائج ہے
نویں صدی ہجری میں سلطان سکندر لودھی کا چچا زاد بھائی عجیب طریقہ سے میلاد مناتا تھا۔
یکم ربیع الاول سے محفل میلاد شروع ہوتی تھی۔ ہر روز وہ خیرات وصدقات تقسیم کرتا
تھا۔ پہلی تاریخ کو ایک ہزار ٹنکہ خرچ کرتا تھا۔ دو تاریخ کو دو ہزار اس ترتیب سے

۱۲ ربیع الاوّل کو ۱۲ ہزار ٹنکہ خرچ کرتا تھا۔ لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ شیرینی تقسیم کرتا تھا۔ (تذکرۃ العلماء از مولوی رحمٰن علی) سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان کے بیٹے حفیظ اللہ خاں کے حالات میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی سنہ ۱۲۰۰ھ نے ید بیضا میں لکھا ہے کہ وہ عرس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مناتا تھا۔ اور ایک ہزار افراد کی دعوت کرتا تھا۔ آفتابہ لے کر تمام افراد کے ہاتھ خود دھلواتا تھا۔ حفیظ اللہ کا انتقال ۱۱۱۲ھ میں ہوا ہے۔ ان بیانات سے جہاں محفل میلاد کا عام اہتمام ہوتا ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ محفل میلاد زیادہ تر طبقۂ امراء تک محدود تھی۔

عوام میں محفل میلاد کو اس وقت فروغ ہوا جب اودھ میں شیعی حکومت قائم ہو گئی اور وہاں مجالس محرم بہت زور شور سے اور بڑے اہتمام سے منائی جانے لگیں۔ تو ردّ عمل کے طور پر سنیوں میں محفل میلاد سے دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ ہاشمی فرید آبادی تاریخ ہندو پاکستان میں لکھتے ہیں: "غدر ۱۸۵۷ کے زمانے میں مجالس محرم اور محافل میلاد کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ صوبہ اودھ میں ان محفلوں کا زور تھا۔ اسی زمانہ میں پہلا میلاد شریف مولانا غلام امام شہید نے لکھا ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے یہاں ملازم تھے۔ اگر قدیم زمانہ میں محفل بھی زور شور ہوتا تو ضرور فارسی زبان میں کئی میلاد نامے لکھے جاتے۔ حالانکہ قدیم ترین میلاد شہیدی اردو زبان میں ہے۔

ہندوستان و پاکستان میں بریلوی مسلک کے لوگ سب سے زیادہ محفل میلاد منعقد کرتے ہیں اور ان میں قیام بھی کرتے ہیں۔ دیوبندی مسلک کے لوگ محفل میلاد کے تو خلاف نہیں ہیں البتہ وہ قیام کو ناجائز تصور کرتے ہیں اور اہل حدیث مسلک کے لوگ اس کو اصلاً بدعت اور ناجائز تصور کرتے ہیں۔

مجالس سیرت

اس صدی کے آغاز سے ہمارے ملک میں سیرت کے جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ سیرت کے جلسے محفل میلاد سے مختلف ہیں۔ میلاد میں پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق چند روایات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ چند معجزات بیان کیے جاتے ہیں۔ سلام پڑھا جاتا ہے۔ میلاد کے مضامین متعین ہیں۔ برخلاف سیرت النبی کے جلسوں میں حضور اکرم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالتا ہے۔ سیرت کی دینی حیثیت مسلّم ہے۔ قرآن مجید میں

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کو پوری اُمتِ مسلمہ کے لیے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اوّل روز سے مسلمانوں نے واقعاتِ سیرت پر اپنی توجہ مرکوز رکھی ہے۔ سیرت کی تفصیلات اور جزئیات جمع کی ہیں۔ مغازی، سیرت، شمائل، دلائل النبوۃ کے مختلف ناموں سے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر کتب تصنیف کی ہیں۔

عیسائیت کے خلاف مشہور مناظر مولوی رحمت اللہ کیرانوی ثم مکی لکھتے ہیں "اس زمانہ میں ہر طرف پادریوں کا شور ہے اور بازاروں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں اور دوسری طرف آریہ لوگ پادریوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی زیادہ شور مچا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ایسی محفلوں کا قیام شرائطِ مذکورہ کے ساتھ اس وقت فرضِ کفایہ ہے۔"

بادشاہی زمانہ میں ملک کا نظامِ تعلیم اسلامی تھا۔ پڑھا لکھا اس شخص کو کہتے تھے جو عربی فارسی زبانیں ضرور جانتا تھا۔ قرآن مجید، احادیثِ رسول اور فقہِ اسلامی تک براہِ راست دسترس رکھتا تھا۔ اور ان علوم کی کتب پڑھتا تھا۔ اس طرح اس کے ذہن کی تشکیل اسلامی خطوط پر ہو جاتی تھی۔ اس کو کسی خارجی امداد کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن آج ملک میں نظامِ تعلیم انگریز کا رائج کردہ ہے۔ یہ طالب علم کو دین سے بیگانہ اور دین کے   سے غافل بناتا ہے۔ قرآن و سنت تک اُن کی دسترس نہیں ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ان کے ذہن و فکر کی اسلامی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین سے متعلق اردو کتب کا مطالعہ کریں اور خارج میں ایسی تقاریب منعقد کی جائیں جن سے ذہن کی اسلامی طریقہ پر آبیاری ہو۔ اس لیے موجودہ دور میں مجالسِ سیرت کا انعقاد اور اس میں شرکت مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ البتہ یہ امر ضروری ہے کہ اس سے تعلیمی اور مذہبی مقاصد حاصل ہوں نہ کہ کھیل تفریح کا سلسلہ ہو۔

۱۹۱۰ء میں پہلی مرتبہ سیرت النبی کا جلسہ قومی پیمانے پر منایا گیا۔ اور اس کی اہمیت محسوس کی گئی۔ ۱۹۲۴ء سے سیرت کمیٹی   کے بانی عبدالمجید قریشی نے مختلف پمفلٹوں کے ذریعے سیرت کے تصور کو بہت عام کیا۔ اور مسلمانوں کو اس کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ پاکستان بننے کے بعد صدر ضیاء الحق نے ربیع الاول کی تقریبات کو سرکاری طور پر منانے کا حکم دیا ہے اور اس طرح ان کی قومی اور ملی اہمیت واضح کی ہے۔